سید المؤذنین حضرت بلالؓ، علامہ اقبال کی نظر میں

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

Allama Iqbal has written extensively about Bilal bin Rabah RA in his Urdu and Persian works. Iqbal has named the continent Africa as "Bilal's world" and stated him to be the continent's leader and chief. The level of respect and dignity which has been attained by Bilal RA in Islamic world is actually a testament to the spiritual message of Islam which decimated racist pride to ground. Bilal's patience and sincerity had embraced every pain of the world for the sake of Allah. Iqbal has again paid homage to Bilal in his poetry. "Bilal's Call to Prayer" is a renowned and famous act in the Islamic world. Without the spirit of Bilal, the call to prayer is a mere ritual. In explaining the marvel of Bilal's greatness, Iqbal compares him with Alexander the great.

اسلام فہمی میں کمال حضرت علامہ اقبال پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام تھا۔ دین حق کے اسرار و رموز کے فہم و ادراک میں فکر صائب اور نظر عمیق سے کام لینا اقبال کا خاص امتیاز ہے۔ اسلامی مقدسات اور تاریخی شخصیات ان کے فکر و شعر کے مرغوب موضوعات رہے ہیں لیکن سلسلہ گفتگو اور اظہار خیال کے دوران میں وہ جو نکات سامنے لاتے اور جو پہلو نمایاں کرتے ہیں وہ تو دل کو گرما دیتے اور روح کو تڑپا دیتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ اور صدر اسلام کی نمایاں اسلامی شخصیات اور قائدین میں سے کسی کو انھوں نے فراموش یا نظر انداز بھی نہیں ہونے نہیں دیا۔ سیدنا بلال بن رباح حبشی رضی اللہ عنہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

حضرت علامہ نے اپنے اردو اور فارسی کلام کا گویا ایک ذخیرہ اور بڑا سرمایہ حضرت بلالؓ کی نذر کر دیا ہے اور اس کے مطالعہ سے ایک پیرا، ایک فصل یا باب تو معمولی سی بات ہے۔ اس سے تو ایک سے زائد خوبصورت کتابیں بھی مرتب کی جانی چاہئیں (اللہ تعالیٰ کی توفیق سے!)۔ اقبال کے فکر کی بلندی اور شعر کے وسیع آفاق کا تو یہ عالم ہے کہ وہ پہلے بلکہ شاید واحد شاعر ہیں جنھوں نے مرکز بلالیت یعنی براعظم افریقہ

کو ''بلالی دنیا'' کا نام دیا ہے، بلکہ مجھے تو یوں لگتا ہے کہ گویا وہ اپنے اس نکتے سے مجھے یہ منفرد کتاب سیرت لکھنے کی دعوت بھی دے گئے ہیں۔

اقبال تو جب اپنے رب جلیل سے شکوہ کی (شکوہ نہیں) یا شکایت کے لیے زبان کھولتے ہیں تو عرض کرتے ہیں کہ ہم مسلمان تو تیری خاطر ہر قربانی دیتے ہیں اور تیرے ہر فرمان کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ میرے مولیٰ تو تو علام الغیوب اور علیم بذات الصدور ہے، ذرا دیکھیے تو سہی کیا ہم نے:

تجھ کو چھوڑا کہ رسول عربیؐ کو چھوڑا؟ بت گری پیشہ کیا؟ بت شکنی کو چھوڑا؟
عشق کو، عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا؟ رسم مسلمان و اویس قرنی کو چھوڑا؟[1]

بلکہ ہم تو میرے رب تیری تکبیر و نغمۂ توحید کو بھی سینوں میں چھپائے پھرتے ہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ:

آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں
زندگی مثل بلال حبشیؓ رکھتے ہیں[2]

یہ نکتہ آفرینی بھی اقبال کے حصے میں آئی کہ براعظم افریقہ ہی ''بلالی دنیا'' ہے مگر اس دنیا کو اپنا کر فتح کا تاج پہننا کسی دولتمند بادشاہ یا شمشیر زن جرنیل کا مقدر نہیں بلکہ اس عظیم الشان خدمت خلق کے لیے تو سیدنا بلالؓ جیسے درویش یا ابوالحسن ہجویری اور معین الدین چشتی جیسے قناعت پسند خدا رسیدہ اور فیض رساں درویشوں کا مقدر ہے جس کے ظہور ازلی کا اب وقت آ گیا ہے، ذرا اقبال کی بات بھی سنیے:

مردم چشم زمیں یعنی وہ کالی دنیا
وہ تمھارے شہدا پالنے والی دنیا
گرمیِ مہر کی پروردہ ہلالی دنیا
عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دنیا
تپش اندوز ہے اس نام سے پارے کی طرح
غوطہ زن نور میں ہے، آنکھ کے تارے کی طرح
عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری
مرے درویش! خلافت ہے جہاں گیر تری
ماسوی اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری
تو مسلماں ہے تو تقدیر ہے تدبیر تری
کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا؟ لوح و قلم تیرے ہیں[3]

حضرت علامہ اقبال بلالی دنیا یعنی براعظم افریقہ کو تمام روئے زمین کے لیے آنکھ کی پتلی قرار دے رہے ہیں گویا جس دن اس بلالی دنیا کو نور اسلام کی آنکھ مل گئی تو وہ غلبۂ حق کا پہلا دن ہوگا اور سب پر یہ راز کھل جائے گا کہ تمام انسانیت کو وحدت نسل انسانی کا تاج پہنانے والے، کالے اور گورے کا فرق مٹانے والے، آقا و غلام کی قید کو نابود کر دینے والے اور تمام انسانوں کو برادری اور برابری کی خوشخبری سنانے والے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو کالوں سے اور پھر ان سے کالوں کے عشق میں کیا راز تھا؟ جس دن اسلام کی کنجی بلالی دنیا کے ہاتھ میں آ گئی تو وہ دن ظلم و ناانصافی کے خاتمہ اور دنیا میں سکون و اطمینان کا دن ہوگا اور عدل و انصاف کا خوشگوار دور شروع ہو چکا ہوگا کیونکہ ازل سے آج تک یہ بلالی دنیا براعظم افریقہ گورے سامراجیوں کے نزدیک تو صرف کالے غلام اگانے والے کھیت تھے۔ یہی نہیں بلکہ دنیا کے رنگدار بھی (جنھیں میں گوروں کے مدمقابل مستورے کہنا پسند کرتا ہوں) ہر غلام اور ہر کالے کو حبشی یعنی افریقی کہتے رہے ہیں۔ مگر اب دنیا کو یکسر بدل دینے کا وقت آ گیا ہے اور یہ تبدیلی صرف ''بلالی دنیا'' خود ہی لا سکتی ہے۔ بس اب دیر صرف یہ ہے کہ بلالی دنیا کے انسانوں کے ہاتھ میں عالم انسانیت کو منور کرنے والی نور کی کنجی آ جائے اور ان پر یہ راز بھی کھل جائے کہ رسول عربیؐ اور بلالی دنیا کی باہمی محبت و مودت کا راز اور سبب کیا تھا۔

رسول عربیؐ کا مرتبہ و مقام

رسول عربیؐ کی آمد اور بعثت دنیائے انسانیت کے لیے ایک زندۂ جاوید خوشخبری تھی لیکن ہجرت سے وفات تک کا عرصہ تو اسلامی انقلاب اور بے مثال ہلچل کا دور دورہ ہے، جس اخوت و مساوات یا برادری اور برابری کے آپ داعی حق تھے اس نے دنیا کو ہلا کر رکھ دیا تھا، نسل پرستی اور تنگ نظری کے جبڑوں میں پھنس کر پسنے والے بے بس اور بے کس انسانوں کے لیے نجات کی خوشخبری تھی۔ دنیا کے کونے کونے سے سعادت مند روحیں تلاش حق کے لیے سرزمین عرب کی طرف رخ کرتی نظر آتی ہیں۔ ان میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے طویل اسفار اور دلدوز مشکلات کی داستان عبرت ہی مطالعہ کے لیے کافی ہے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا اصل تعلق تو بلاشبہ بلالی دنیا اور حبشہ سے ہی تھا مگر ان کے آباؤاجداد کئی نسلوں سے سرزمین عرب میں رہتے تھے۔ لکھا ہے اور ثابت بھی ہے کہ ان کے پڑدادا قریش کے ایک پڑوسی قبیلہ بنوجمح کے غلام تھے۔ ان کی والدہ حضرت حمامہ رضی اللہ عنہا بھی قریش کے ایک قبیلہ کی لونڈی تھیں، اس لیے اب یہ واضح ہے کہ سیدنا بلالؓ غلام پیدا ہوئے تھے براہ راست حبشہ سے نہیں لائے گئے تھے مگر مروج و متداول یہی تھا کہ بلال حبشی ہیں، اس لیے حضرت علامہ بھی اسی عوامی اسلامی رواج ہی کا لحاظ کرتے ہوئے انھیں حبشہ سے لائے گئے ہی مانتے ہیں اور فرماتے ہیں:

چمک اٹھا جو ستارہ ترے مقدر کا حبش سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا
ہوئی اسی سے ترے غمکدے کی آبادی تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی
وہ آستاں نہ چھٹا تجھ سے ایک دم کے لیے کسی کے شوق میں تو نے مزے ستم کے لیے
جفا جو عشق میں ہوتی ہے، وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں[۵]

اقبال کے نزدیک حضرت بلالؓ کو رخِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا نظارہ وہی لطف دیتا تھا جو رب ارنی (اے میرے رب مجھے نظارہ کرنے دے) کہنے والے سیدنا موسی علیہ السلام کے لیے ربّ جلیل کے رخ جمیل کے لیے پر لطف نظارہ تھا۔ یمن کے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ سرزمین حجاز کے پہلو میں رہتے تھے، یمن سے حجاز جانے کے لیے ایک دوڑ لگانا ہی کافی تھا (اور حضرت اویس نے یہ کوشش ایک بار فرمائی بھی تھی مگر زیارت نبوی سے محروم رہے)، پھر انھی قدموں پر واپس آنا پڑ گیا تھا) کیونکہ اویس رضی اللہ عنہ اپنی محتاج و مجبور والدہ کو یونہی چھوڑ دینے کی ہمت و طاقت نہیں رکھتے تھے مگر حضرت بلال حبشیؓ نے اللہ کی محبت میں رخ مصطفیؐ کے منظر کی زیارت کے لیے تمام دنیا کو ٹھکرا دیا تھا۔ ان کے لیے تو مدینۃ النبیؐ آنکھوں کا نور اور اس کی گلیوں کی ریت کوہ طور کا درجہ رکھتی تھی، اسی لیے بلالؓ کے لیے یہی مناظر ہی سب کچھ تھے، چنانچہ اقبال تو کہہ گئے ہیں کہ:

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری
اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی نماز اس کے نظارے کا اک بہانہ بنی
خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا
خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا[۶]

حضرت علامہ کا یہ مشاہدہ قابل داد اور تبصرہ بھی برحق ہے کہ عشق رسولؐ میں حضرت بلالؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ برابر تھے اور اس باب میں ان دونوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ صحابہ کرامؓ میں جو غیر عربی جاں نثار تھے ان میں سے جو شفقت نبوی ان دو بزرگوں کے حصے میں آئی وہ بے مثال تھی، صاحب اقتضاء الصراۃ المستقیم نے عہد نبویؐ کا ایک بڑا ہی اہم اور بے حد عبرت آموز واقعہ لکھا ہے کہ مسجد نبوی کے سایہ میں ایک جماعت صحابہ تشریف فرما تھی جس کی باہمی گفتگو اور تبادلہ خیالات روح پرور اور دلچسپ انداز لیے ہوء۸ے تھا۔ ان میں کبار مہاجرینؓ و انصارؓ بھی تھے اور جلیل القدر غیر عرب صحابہ کرامؓ جیسے سلمان فارسی اور بلال حبشی رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ زید بن مطاطہ نامی ایک نو مسلم اعرابی پاس کھڑا تھا، وہ اسلامی اخوت و مساوات سے ابھی نا بلد ہی تھا اور نہیں جانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اس برادری

اور برابری کی کیا اہمیت ہے۔ اس لیے جہالت اور بے خیالی میں کہنے لگا کہ مہاجرین و انصار تو عرب ہیں اس لیے ان کا یہاں اس طرح جمع ہونا تو سمجھ میں آتا ہے مگر یہ جو اہل عجم یعنی غیر عرب یہاں گھسے بیٹھے ہیں ان کا موجود ہونا سمجھ سے باہر ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ جو طویل القد اور زور آور بھی تھے، یہ سن کر اٹھے اور بدو کو گریبان سے پکڑ کر اٹھا لی اور رسول اللہؐ کے پاس لے گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! یہ ایک بدو ہے جو ابھی ابھی مسلمان ہوا ہے اس لیے احکام اسلام سے ناواقف ہے۔ ابھی ابھی یہ جماعت اصحاب کو دیکھ کر حسد اور جہالت کے باعث یہ یہ کہہ گیا ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ناراض ہوئے کیونکہ ان کا عطا کیا ہوا نظام اخوت و مساوات ان کی زندگی اور وہ بھی ان کی مسجد کے سایہ میں خطرے میں تھا اور ایک بدو اس پر اعتراض کر رہا تھا، لکھا ہے کہ پیغمبرؐ اخوت و مساوات اس قدر ناراضگی میں کبھی نہیں دیکھے گئے تھے، کاندھے کی چادر زمین پر گھسٹتی جا رہی تھی اور فرماتے جا رہے تھے کہ آؤ نماز کے انداز میں منبر کے سامنے بیٹھ جاؤ اور میری تقریر سنو، حمد و صلوۃ کے بعد ارشاد ہوا:

ایھاالناس! اسمعوا وعوا و بلغوا عنی، ان الرب رب واحد و أن الاب اب واحد، لافضل لعربی علی اعجمی ولا لاعجمی علی عربی الا بالتقوی کلکم لآدم و آدم من تراب! و العربیة لیست بأب ولا بأم لأحد منکم فمن تکلم بالعربیة فھو عربی و من و جد له ابوان فی الاسلام فھو عربی۔

> لوگو! سنو اور یاد کر لو اور میری طرف سے دنیا کو پہنچا دو کہ رب تعالیٰ بھی ایک وحدہ لاشریک ہیں، باپ بھی سب کا ایک آدم ہے اور آدم مٹی سے ہیں۔ کسی عرب کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عرب پر کوئی فضیلت نہیں مگر صرف تقویٰ باعث فضیلت ہے۔ عربی زبان کسی کا باپ ہے نہ ماں ہے، جو بھی عربی بولے گا وہ عرب ہے اور جس کا باپ اور دادا مسلمان رہے ہونگے تو وہ بھی عرب ہی ہے۔ یعنی ہر کلمہ گو مسلمان بھی عربی ہی ہے۔

یہ ارشاد نبوی اسلام کے عطا کردہ عالمی نظام اخوت و مساوات یا برادری اور برابری کے ضمن میں حکم قطعی، واضح اور دلنشیں بھی ہے۔ اس سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالمی نظام کی بقا و تحفظ کے لیے کس قدر سنجیدہ اور فکر مند تھے۔ ایک دیہاتی نومسلم کے حسد اور جہالت کو کس قدر خطرناک سمجھا اور مسلمانوں کو اس نظام پر پوری شدت اور قوت کے ساتھ ثابت قدم اور کاربند رہنے کی کتنی تاکید فرما گئے۔ اس میں ''بلالی دنیا'' کے لیے بھی ایک زوردار پیغام ہے۔ رسول عربیؐ اسی عالمی نظام برادری اور برابری کو براعظم افریقہ کی بلالی دنیا کے لیے ایک ضابطہ اور خوشخبری قرار دے رہے ہیں۔

حضرت بلالؓ فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول تھے یعنی ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی محبت کے مترادف تھی اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کے مترادف تھی، آیت ربانی قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو تمھیں اللہ تعالیٰ کی محبت بھی نصیب ہو جائے گی) لیکن محبت صرف زبانی کلامی بات نہیں ہوتی بلکہ قول کے ساتھ عمل بھی درکار ہے اور عمل کی تصویر اتباع رسولؐ سے ثابت ہوتی ہے۔ دل میں جب جب مصطفیٰؐ ہو تو اس کا تقاضا اتباع مصطفیٰؐ ہے، جب جب مصطفیٰؐ اور اتباع مصطفیٰؐ اکٹھے ہو جائیں گے تو اسی دل کو ہی حب اللہ بھی آباد کر دے گی۔ حضرت بلالؓ کے قلب وضمیر میں چونکہ حب اللہ تعالیٰ اور حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یک جا تھی اس لیے وہ فنا فی اللہ بھی تھے اور فنا فی الرسول بھی تھے۔ یہی امتیازی شان ہے ان کی اس لیے وہ مؤمن کامل ہیں۔ اسی لیے ان کی زبان مبارک سے ادا ہونے والی اذان ہی اذان کامل بھی ہے، اذان ازل بھی ہے اور اسے ہی دوام بھی عطا ہوا ہے۔ اسی لیے رسول اللہؐ نے حضرت بلالؓ کو سید المؤذنیں کا خطاب عطا فرمایا اور اسی لیے اقبال کے نزدیک بھی اذان کے لیے روح بلالی لازم ہے ورنہ بلند ہونے والی اذان محض رسم ہو گی جس کا اصل روح اور حقیقت سے دور ہونا بدیہی بات ہے۔ جس طرح امام غزالی نے فلسفہ کی حقیقت کو پہچانا اور اس کی تلقین سے ہمیں سمجھایا ہے اسی طرح بلند ہونے والی اذان بھی روح بلالی کی طلبگار ہے ورنہ بیکار ہے۔ حضرت علامہ اسی حقیقت کو عیاں کرتے ہوئے فرما گئے ہیں:

رہ گئی رسم اذاں روح بلالیؓ نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہے کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے[۷]

اذان بلالی کے یہی اسرار و رموز اور اوصاف و امتیاز ہیں جن سے حضرت بلالؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سید المؤذنین (اذان دینے والوں کے بڑے یا سردار) قرار دیا اور اپنی دوامی آواز بھی ہے جو ارض وسماء میں ہر خطہ گونجتی سنائی دیتی ہے کوئی خطہ یا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے جو صدائے اذان سے خالی ہو اور ہر شاہ وگدا اس آواز پر کان دھرتا ہے، اس طرح ''بلالی دنیا'' کے قائد وامام سیدنا بلال حبشیؓ کو ازلی وابدی قائدانہ زندگی نصیب ہو گئی ہے۔

حضرت علامہ اس شان بلالی کو ایک اور خصوصی رنگ اور نرالے انداز میں بھی پیش فرماتے ہیں جو صرف اقبال ہی کا کمال اور مقدر تھا۔ سکندر اعظم یونانی نے فتوحات عالم کے نشے میں کبھی ایشیا میں بھی لوٹ مار کا اودھم مچایا تھا مگر دنیا سے یوں محو ہو گیا کہ آج اس کا نام بھی کوئی نہیں لیتا، مگر اس کے برعکس

حضرت بلال حبشیؓ غلام ابن غلام تھے مگر آج بھی روئے زمین کے گوشے گوشے میں، لمحہ بہ لمحہ بلالؓ کی اذان ہر شاہ و گدا سنتا ہے اور کان لگا کر سنتا ہے پھر اسی آواز پر محمود و ایاز بادشاہ و گدا مسجد میں چپ چاپ کھڑے ہو جاتے ہیں تو سب ایک برابر ہوتے ہیں، نہ کوئی بندہ رہتا ہے نہ کوئی بندہ نواز! یہ معجزہ ہے اس پیغام حق کا جو اخوت و مساوات یعنی انسانی برادری اور برابری کا جو آج سے تقریباً پندرہ صدیاں قبل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عام کیا تھا، جس کا عملی مظاہرہ صفوف نماز کی شکل میں ہوتا تھا مگر اس نماز کا ترانہ وہ اذان تھی جو حضرت بلالؓ کی سوز و گداز سے لبریز اور ازل تا ابد ایک ایسی آواز میں تبدیل ہوگئی جو آج بھی ایک غلام ابن غلام کو ہر شاہ و گدا کے دل میں اتار دیتی ہے! حضرت علامہ کا بیان ہے کہ:

لکھا ہے ایک مغربی حق شناس نے — اہل قلم میں جس کا بہت احترام ہے
جولانگہ سکندر رومی تھا ایشیا — گردوں سے بھی بلند تر اس کا مقام تھا
تاریخ کہہ رہی ہے کہ رومی کے سامنے — دعوی کیا جو پورس و دارا نے خام تھا
دنیا کے اس شہنشہِ انجم سپاہ کو — حیرت سے دیکھتا فلک نیل فام تھا
آج ایشیا میں اس کو کوئی جانتا نہیں
تاریخ دان بھی اسے پہچانتا نہیں![۸]

یہ تو وہ تصویر لفظی ہے اس سکندر اعظم کی جو ایک قابل احترام اور حق شناس صاحب قلم کے ذہن میں آئی اور اس کے قلم نے کاغذ پر اتار دی تھی مگر وہ تو دھندلا کر محو ہو چکی ہے۔ آج سکندر اعظم کوئی نام بھی نہیں لیتا۔ مگر اس کے برعکس حضرت علامہ ایک حبشی غلام ابن غلام کو اپنے الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اللہ کے اس فقیر بندے کی آواز ہے جو ارض و سما کی فضاؤں میں ہر جگہ اور ہر لمحہ صبح و شام اور رات دن گونج رہی ہے، مگر کیوں؟ اور کیسے؟ اقبال بتاتے ہیں:

لیکن بلالؓ وہ حبشی زادۂ حقیر — فطرت تھی جس کی نور نبوت سے مستنیر
جس کا امیں ازل سے ہوا سینۂ بلال — محکوم اس صدا کے ہیں شاہنشہ و فقیر
ہوتا ہے جس سے اسود و احمر میں اختلاط — کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوئے امیر
ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز — صدیوں سے سن رہا ہے جسے گوش چرخ پیر
اقبال کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے؟
رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے[۹]

حضرت علامہ اقبال یہ مانتے ہیں کہ حضرت بلال حبشی بلاشبہ غلام ابن غلام تو تھے مگر اللہ رب العزت نے ان کی فطرت میں یہ صلاحیت ودیعت فرما دی تھی کہ وہ مصطفیؐ کے نور نبوت سے روشنی حاصل کر

سکیں۔ترانہ نماز یعنی اذان میں اپنے نور قلب وضمیر سے وہ قوت بھر دیں جس پر تمام شاہ و گدا کان دھریں اور جوان کے دلوں کو گرما کر اور روحوں کو تڑپا کر خانہ خدا میں جمع کر دیں تا کہ رسول عربی کے نظام اخوت ومساوات اور برادری و برابری کا عملی نمونہ پیش کر دیں جو بلالی دنیا کا نظام ونصاب بن کر وہ انقلاب برپا کر دے گا جس نے دنیا کو خوشگوار جنت اور عالم انسانیت کو سکون واطمینان عطا کرنا ہے۔اقبال کے نزدیک یہ رخ مصطفیٰ کی برکت اور نور نبوت کا پرتو ہے۔یہی حکمت خداوندی ہے کہ فتوحات کا بھوکا سکندر رومی تو حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے فنا ہو چکا ہے مگر بلالی دنیا کے امام اور اس کے قائد اعظم کالا حبشی ہونے کے باوجود آج بھی حیات دوام کا زندہ نمونہ ہے۔

اقبال کی یہ قیمتی بات، ان کے فارسی کلام تک رسائی اور مطالعہ کے بغیر ادھوری بلکہ غیر منصفانہ رہے گی۔ان کے فارسی دواوین میں سے جاوید نامہ ان کا زبردست دیوان شعر ہے۔یہ دیوان علامہ کو تاریخ کے بڑے شعراء ممتاز مقام پر لے آتا ہے۔دانتے کی ڈیوائن کامیڈی سے لیکر ابو العلا معری کے رسالہ غفران تک کے فکر وشعر سے برتر نہیں تو برابر تو یقیناً ہے۔طواسین جاوید نامہ کا دلچسپ اور فکر انگیز باب ہے۔ یہاں طاسین محمدؐ کے ضمن میں ابوجہل کی فریاد قابل توجہ ہے۔کیونکہ یہ فریاد دراصل اس فکر و پیغام کا ردعمل ہے جو مکے کی گلیوں میں اذیت اٹھاتے اور نعرہ توحید بلند کرتے ہوئے بلالؓ نے مکہ کے ظالم اور متکبر سرداروں اور شرک کی دلدل میں پھنسے ہوئے عربوں کو دیا تھا۔ایک توحید پرست درویش ہر قسم کی اذیت رسانی کو پائے حقارت سے ٹھکرا کر احد احد یعنی خدا تو صرف ایک ہی ہے کہ کر کفار کے لات ومنات تو ریت کا ڈھیر ہیں۔جنھیں آندھی کا معمولی جھونکا ہی نابود کر دے گا۔پھر سلمان فارسی اور بلال حبشی کو عربوں سے برتر مقام دے کر داعی اخوت ومساوات علیہ السلام نے اپنے برابر دستر خوان پر بٹھا کر عربوں کے غرور کو خاک میں ملا دیا ہے۔ابوجہل جیسے متکبر سرداران قریش کے لیے یہ نا قابل برداشت صدمہ تھا اور اس صدمہ کے اظہار ابوجہل کی روح کا وہ ماتم ہے جس کا ہنگامہ خانہ کعبہ میں حضرت علامہ کو اس وقت بھی سنائی دیا جب آپ سیر افلاک و ابراج میں سننے کا شرف حاصل کر رہے تھے۔اس نوحہ گری کو علامہ خود اپنے شعر فارسی میں یوں بیان کرتے ہیں:

سینہ ما از محمد داغ داغ　　　از دم او کعبہ را گل شد چراغ
از ہلاک قیصر و کسری سرود　　　نوجواناں را ز دست ما ربود
ساحر و اندر کلامش ساحری است　　　ایں دو حرف لاالہ خود کافری است
تا بساط دین آبا در نورد　　　با خداوندان ما کرد آنچہ کرد[۲۱]

یہ مکہ مکرمہ میں اسلامی انقلاب کی دعوت محمدی کا پہلا مرحلہ تھا۔اس مرحلے کے پہلو میں تو خفیہ میل

ملاپ تھا۔ میرا یہ دعوی ہے کہ اسلامی انقلاب کے لیے جو جو انداز اور روش رسول اللہؐ نے اختیار فرمائی وہ انسانی تاریخ میں دنیا بھر کے ان انقلابی قائدین کے لیے ماڈل ہے جو انسانی معاشروں کی بہتری کے لیے تحریکات شروع کرتے نظر آتے ہیں۔ مجھے اس بات پر بھی فخر اور خوشگوار حیرت ہے کہ پیغمبر انقلاب کی اس روش کو سب سے پہلے حضرت علامہ اقبال نے سمجھا، ازہر یونیورسٹی قاہرہ کے ایک استاد عبدالمتعال صعیدی نے ایک چھوٹی سی کتاب لکھی تھی اور بتایا تھا کہ رسول اللہؐ کے اسلامی انقلاب کی تحریک کا پہلا مرحلہ بھی مکی نوجوانوں کو دعوت دینا تھی مگر میں یہ جانتا اور مانتا ہوں کہ اس میں پہل کرنا بھی اقبال کا مقدر تھا اور مصری دوست بھی اس سے متاثر تھے تاہم موصوف نے کوئی نئی بات بھی دریافت نہیں کی کہ صرف چند اولین نوجوان مکی صحابہ کرامؓ کے نام دے دیے ہیں۔

لیکن ہمیں یہ معلوم رہنا چاہیے کہ انقلابی تحریکوں کے لیے نوجوان نسل کو مقدم رکھنے کا تصور دنیا کو رسول اللہؐ سے ملا ہے اور اس کا پس منظر بھی بلالی ہے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اگرچہ غلام ابن غلام تھے اور اصل نسل کے لحاظ سے بھی حبشی تھے مگر توحید ربانی اور مساوات انسانی کی دعوت اسلامی نے انھیں تڑپا دیا تھا، قدرت ربانی نے بلالی دنیا کا امام اول اور قائداعظم ہونا ان کے لیے مقدر فرما دیا تھا چنانچہ جوش ایمان اور نعرہ توحید نے افریقی یا حبشی خاک سے اٹھنے والے اس نوجوان کو فولادی جسم اور عزم کا مالک بنایا، یوں ہمارے سامنے ہمت و عزیمت کا ایک ماڈل آ گیا ہے جسے آج کے افریقی یعنی بلالی دنیا کے انسان کے سامنے پیش کرنا ہے۔

روح ابوجہل کے اس ماتم سے یہ شکایت سننے کے قابل ہے جسے اقبال نے فارسی شعر کے لباس میں پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے:

مذہب او قاطع ملک و نسب از قریش و منکر از فضل عرب
درنگاہ او یکے بالا و پست با غلام خویش بر یک خواہ نشست
قدر احرارِ عرب نشناختہ با کلفتان حبش در ساختہ
احمراں با اسوداں آمیختند آبروئے دو دمانے ریختند
ایں مساوات، ایں مواخات اعجمی است خوب می دانم کہ سلماں مزدکی است
ابن عبداللہ فریبش خوردہ است رستخیزے بر عرب آوردہ است
عترت ہاشم زخود مہجور گشت از دو رکعت چشم شاں بے نور گشت
اعجمی را اصل عدنانی کجاست گنگ را گفتار سحبانی کجاست
چشم خاصان عرب گردیدہ کور بر نیائی اے زہیر از خاک گور؟

اے تو مارا اندریں صحرا دلیل   بشکن افسونِ نوائے جبرئیل! [۱۱]

ان فارسی ابیات کا اردو ترجمہ بھی درکار رہے تاکہ صرف اردو جاننے والا قاری بھی روح ابوجہل کے اس معنی خیز ماتم سے آگاہ ہو سکے، چنانچہ وہ اسلامی برادری اور برابری سے نالاں ہے جس نے گورے کالے کا فرق مٹا کر، آقا، غلام اور عرب وعجم کو بھی ایک کر دیا ہے:

۱- حضرت محمدؐ کے دین اسلام نے وطن پرستی اور نسل پرستی کی جڑیں کاٹ کر رکھ دی ہیں، بھلا دیکھو تو سہی کہ قریشی ہیں مگر عرب کی فضیلت و برتری کو ٹھکرا دیا ہے۔

۲- ان کی نظر میں اعلی اور ادنی برابر قرار پا گئے ہیں، وہ تو اپنے غلام کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں۔

۳- ان لوگوں کو عرب کے آزاد انسانوں کی قدر و قیمت بھول گئی ہے کیونکہ وہ تو حبشی غلاموں کے ساتھ مل گئے ہیں۔

۴- گوروں کو کالوں سے ملا دیا ہے، خاندانی عزت کو مٹی میں ملا دیا ہے۔

۵- یہ برابری اور برادری تو عجمی تصور ہے، میں بخوبی جانتا ہوں کہ حضرت سلمانؓ تو ایران کے پرانے اشتراکیت پسند مزدک کے پیروکار ہیں۔

۶- یہ حضرت محمدؐ بن عبداللہ تو سلمان کے دھوکے میں آگئے ہیں اور پورے عرب میں قیامت برپا کر دی ہے۔

۷- آل ہاشم کو تو چھوڑ دیا ہے۔ دو رکعت نماز نے تو ان سے بینائی بھی چھین لی ہے۔

۸- ایک عجمی انسان بھلا عدنانی عرب کو کیا سمجھے گا؟ جو گونگے ہیں وہ عرب کے خطیب سحبان بن وائل کی فصاحت و بلاغت کو کیا جانیں گے۔

۹- عرب کے خواص کی تو آنکھیں اندھی ہو چکی ہیں اے عربوں کے شاعر زہیر بن ابی سلمی تو قبر سے کب باہر آ کر اپنا کردار ادا کرے گا؟

۱۰- اے وہ شاعر (زہیر بن ابی سلمی!) جو اس صحرائے عرب میں ہمارا رہنما ہوا کرتا تھا۔ اب باہر آ اور جبرئیل کی لائی جانے والی وحی قرآن کے جادو کا توڑ لے کر آ۔

❁…❁…❁

حوالہ جات وحواشی

۱- اقبال، علامہ محمد، کلیاتِ اقبال اردو، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ص ۱۹۶

۲- ایضاً، ص ۱۹۶

۳- ایضاً، ص ۲۳۷

۴- ایضاً، ص ۲۳۷

۵- ایضاً، ص ۱۰۶، ۱۰۷

۶- ایضاً، ص ۳۷۲

۷- ایضاً، ص ۲۳۱

۸- ایضاً، ص ۴۷۸

۹- ایضاً، ص ۲۷۱

۱۰- اقبال، علامہ محمد، کلیاتِ اقبال فارسی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۹۰ء، ص ۱۴۳

۱۱- ایضاً، ص ۶۴۳